مولانا حسین علیؒ واں بھچروی کے تفسیری اصطلاحات کا جائزہ

Analysis of the Exegetical Terminologies of Mawlānā Ḥusayn ʻAli Wan Bhchravi

* ڈاکٹر ثناء اللہ حسین

Abstract

Mawlānā Ḥusain ʻAli (1867-1944 AD), born in the remote village of Wan Bhachran, Mianwali, Punjab- Pakistan was a prolific scholar of tafsīr of his time. He got basic education from his father and local ʻulamā. Afterwords he travelled to India in quest of further knowledge of Islam and became student of the great Indian scholars of the time such as Mawlānā Rashīd Aḥmad Gangohi, Mawlānā Aḥmad Ḥasan Kanpūri and Mawlānā Maẓhar Nānotavi. The last out of these three scholars had earned fame as an expert of Qur'ānic exegesis due to his tireless efforts and outstanding contributions in the field. Mawlānā Ḥusain ʻAli faithfully absorbed the light of Qur'ānic knowledge transferred to him via his teacher and further contributed in the field. The present article studies the exegetical terminologies devised by Mawlānā Ḥusayn ʻAli for thematic understanding of the Qur'ān and present relevant examples for clarification. The predominat nature of these terminologies is thematic which can occassionaly be structural or formal.

Keywords: Mawlānā Ḥusain ʻAli, Tafsīr, Qur'ānic Exegetical Terminologies.

مولانا حسین علیؒ بن حافظ محمد عبد اللہؒ(1283ھ / 1867ء-1363ھ / 1944ء) صوبہ پنجاب کے شہر میانوالی کے ایک دور دراز دیہات واں بھچراں میں پیدا ہوئے مگر اللہ تعالیٰ نے ان سے خدمت قرآن مجید کا وہ کام لیا جو صدیوں میں اور وہ بھی خال خال لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ وہ بلاشبہ چودھویں صدی میں رجوع الی القرآن کی تحریک کے سرخیل تھے۔ انہیں ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی اور اپنے علاقہ کے علماء سے حاصل کرنے کے بعد ہندوستان کے جلیل القدر علماء، فقیہ النفس، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ[1]، مولانا مظہر نانوتویؒ[2] اور مولانا احمد حسن کانپوریؒ[3] کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ تفسیر کی تعلیم انہوں نے مولانا مظہر نانوتویؒ سے حاصل کی اور وہ ایسے فنافی القرآن ہوئے کہ اپنے دور کی نابغۂ روزگار شخصیت قرار پائے۔ دیوبند اور سہارنپور جیسے برصغیر کے مرجعِ خلائق دینی مدارس کے فضلاء تکمیل علوم فنون کے بعد واں بھچراں آکر مولانا سے تفسیر پڑھا کرتے تھے۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے مقدمہ جواہر القرآن مرتبہ حضرت مولانا غلام اللہ خان کا مطالعہ کرنے کے بعد مولانا کو حسب ذیل گرامی نامہ تحریر فرمایا:

> ”راستے میں آپ کی کتاب جواہر القرآن مراد مقدمہ تفسیر جواہر القرآن کا مطالعہ کیا دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ کے شیخ رحمۃ اللہ علیہ مولانا حسینؒ) نے قرآن پاک پر فکر و فہم کی بڑی دولت پائی تھی اور آپ خوش نصیب ہیں کہ آپ ان سے متمتع ہوئے۔ اختلاف و اتفاق تو الگ چیز ہے مگر قرآن پاک کے مضامین کو جس طرح انہوں نے سمجھا ہے وہ ہندوستان میں عزیز الوجود ہے مسئلہ توحید میں انہماک و استغراق صوفیانہ اصطلاح میں ان کی کیفیت ایمانی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی روح پر ہزار ر رحمتیں نازل فرمائے“[4]۔

حضرت مولانا علامہ یوسف بنوری شارح سنن ترمذی اور شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ نیوٹاون کراچی حضرت محدث کشمیری قدس سرہ کی کتاب مشکلات القرآن کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں۔

> ”وفی اثناء ذالک تتابعت تراجم القرآن و فوائده التفسيرية بعضها صحيحة من اهل الحق كتقريرات ترجمة القرآن افادها العالم العارف مولانا الشيخ حسين على الفنجابى من تلامذة قطب العصر مولانا المحدث ابى مسعود رشيد احمد گنگوهى الديوبندى المتوفى ١٣٢٣ ھ “[5]

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ قرآن و تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ تعالیٰ علم قرآن میں صرف تین واسطوں: حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ متوفی ۱۳۰۲ھ، حضرت مولانا شاہ اسحق محدث دہلوی رحمہ اللہ متوفی ۱۲۶۲ھ اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کے شاگرد ہیں۔[6]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے زمانے میں منفرد طرز تحقیق کے مالک اور علوم اسلامیہ میں امامت اور اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے حضرت شاہ صاحبؒ کے قرآنی علوم و معارف حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کو اپنے شیخ کی وساطت سے وراثت میں ملے اس کے ساتھ انہوں نے اپنے فطری فہم و فراست اور خداداد بصیرت سے کام لیا۔ اکل حلال اور صدق مقال کو اپنا شعار بنایا۔ سر و علانیہ اور ظاہر و باطن میں اتباع شریعت اور تقویٰ کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآنی اسرار و رموز کی مزید راہیں کھول دیں اور قرآن فہمی میں ان کو ایسی بصیرت اور ایسا ملکہ عطا فرمایا جو ان کے کسی معاصر کو حاصل نہیں تھا۔

اس طرح فہم قرآن مجید کے دو پہلو ہیں:

- اس کی شان ہدایت
- اس کے علوم و معارف کا فہم و ادراک

ابتدائی ہدایت کے لیے نبی اکرم ﷺ نے نص قرآنی لوگوں کے سامنے پیش کی جس نے لوگوں کو کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر نورِ ہدایت سے روشناس کرایا۔ قرآن کریم کا ہدایت اور نصیحت کے لیے آسان بنایا جانا خود قرآن مجید میں کئی مقامات پر منقول ہے۔ صرف سورہ قمر میں یہ بات ایک ہی عبارت کے ساتھ چار مرتبہ منقول ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ''[7] قریب قریب یہی بات سورہ دخان میں یوں ارشاد فرمائی گئی ہے:
''فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ''[8]

اس کے علاوہ بھی قرآن مجید میں اس مضمون کی متعدد آیات مختلف الفاظ کے ساتھ ملتی ہیں۔ یہاں مؤخر الذکر ارشاد باری تعالیٰ میں ''یسرنہ بلسانک'' کے الفاظ ایک لطیف اشارہ دے رہے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ آسانی لغت رسالت مآب ﷺ میں ہے۔ جس سے ایک طرف نص قرآنی کے فہم کے لیے عربی زبان سے واقفیت ضروری معلوم ہوتی ہے تو دوسری طرف ماہر استاذ کی رہنمائی کا اشارہ ملتا ہے تاکہ اس بارے میں کوئی بھی سوال پیدا ہو تو استاذ کے ذریعے اس کا جواب حاصل کیا جاسکے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلا رِجَالا نُوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لا تَعْلَمُونَ''[9]

نصِ قرآنی کی تفہیم اور فنی تدوین کی ابتدا بھی عہدِ نبوی ﷺ سے ہو گئی تھی۔ ناسخ منسوخ کا تذکرہ نیز اصوات و لحون عرب کی پابندی عہد نبوی میں ایک مہتم بالشان کام تھا۔ یہی امور بعد میں تفسیر، تجوید اور نحو کی بنیاد بنے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ احزاب، پاروں، منزلوں، رکوعات، خموس، عشور، ارباع و اجزاء وغیرہ کی صورت میں مقبول ہوئے۔ نص قرآنی کی تفہیم کے سلسلے میں بہت سے اقدامات ہوئے جو آج تک مصاحف میں نص قرآنی کے ساتھ منقول پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ علامات اور تقسیمات نص قرآنی کی صحت برقرار رکھنے اور اس کے تحفظ کے لیے تھیں، کچھ تعلم و حفظِ قرآن کے لیے اور کچھ علامات و تعلیقات تفہیم کے لیے تھیں۔

اس تمہید کے بعد ہم مولانا حسین علیؒ کی قرآن فہمی یا نص قرآن کو سمجھنے کے لئے ان کی تفسیری اصطلاحات کا ایک تطبیقی جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

نص قرآنی کی تفہیم کے لئے مولانا حسینؒ کی تفسیری اصطلاحات کا تطبیقی جائزہ:

۱۔ دعویٰ یا موضوع سورت:

دعویٰ یا موضوع سورت سے مراد سورت کا مرکزی مضمون ہے جو تمام سورت کے لئے بمنزلہ محور ہوتا ہے۔ سورت کے باقی مضامین اسی کے گرد چکر لگاتے ہیں یا اس کی مثال بیج اور تخم کی سی ہے۔ جس طرح درخت کے ہر پتے اور شاخ میں تخم کا اثر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ہر درخت

دوسری نوع کے درختوں سے ممتاز نظر آتا ہے، بعینہ اسی طرح سورت کی ہر آیت کو اصل دعویٰ سے ضرور کوئی نہ کوئی تعلق ہوتا ہے اور اس دعویٰ کی بنیاد پر ایک سورت دوسری سورت سے ممتاز نظر آتی ہے۔ [10]

۲۔ دلیل:

دلیل اس بیان کو کہتے ہیں جس سے دعویٰ ثابت کیا جائے۔ قرآن کریم میں دعویٰ ثابت کرنے کے لئے چار قسم کے دلائل بیان کئے جاتے ہیں۔
۱۔ دلیل عقلی محض ۲۔ دلیل عقلی مع اعتراف الخصم ۳۔ دلیل نقلی ۴۔ دلیل وحی
ذیل میں ان چار ادلہ کی تفصیل قرآن مجید سے ملاحظہ کیجئے:

۱۔ دلیل عقلی:

دلیل عقلی اس دلیل کو کہتے ہیں جس میں ایسے امور مذکور ہوں جن کا تعلق عقل سے ہے۔ دلیل عقلی کے ذریعے ہر صاحب عقل دعویٰ کو سمجھ سکتا ہے۔ اگر مخاطب کافر و مشرک ہو تو بھی عقل سلیم اسے یہ بات ماننے پر مجبور کرے گی کہ جو امور دلیل میں مذکور ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے قبضہ قدرت میں نہیں ہیں۔ اس لئے اللہ کے سوا کوئی عبادت، پکار اور نذر و منت کے لائق نہیں۔ اسی طرح اگر مخاطب دہریہ ہو تو بھی عقل سلیم اسے اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر آمادہ کرے گی کہ مذکور فی الدلیل امور کا نظام خود بخود نہیں چل رہا بلکہ ایک قادر و قیوم ہستی اس سارے نظام کو چلا رہی ہے۔ اور یہ کام بے شعور مادے کا نہیں ہے۔ [11]

مثال دعویٰ مع دلیل عقلی:

''یَا أَیُّهَاالنَّاسُ اعْبُدُواْ رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِن قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُونَO الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الأَرْضَ فِرَاشاً وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقاً لَّکُمْ فَلاَ تَجْعَلُواْ لِلّهِ أَندَاداً وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ'' [12]

اس میں یاایهاالناس اعبدواربکم دعویٰ توحید ہے، یعنی اپنے رب کی عبادت کرو اور اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ پھر الذی خلقکم تا رزقالکم دلیل عقلی ہے۔ یعنی تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور کوئی نہیں۔ اسی طرح تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت اسی نے بنایا۔ اور آسمان سے بارش برسا کر زمین سے تمہارے لئے روزی کا سامان بھی اسی نے پیدا کیا، تمہارے معبودان باطلہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کر سکتا، اس کے بعد فلاتجعلو الله اندادا دلیل کا نتیجہ ہے، یعنی جب تم جانتے ہو کہ یہ سارے کام کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے تو پھر کسی کو عبادت میں اس کا شریک نہ بناؤ۔ [13]

۲۔ دلیل عقلی مع اعتراف الخصم:

یہ دلیل عقلی ہے جس کو منکرین سے استفہام کے طور پر بیان کیا جائے اور ساتھ ہی ان کے تسلیمی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے جواب بیان کیا جائے، مثلا ایک جگہ ارشاد ہے:

''قُلْ مَن یَرْزُقُکُم مِّنَ السَّمَاء وَالأَرْض أَمَّن یَمْلِکُ السَّمْعَ والأَبْصَارَ وَمَن یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیَّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُدَبِّرُ الأَمْرَ فَسَیَقُولُونَ اللّهُ'' [14]

''آپ ان [مشرکوں] سے کہئے کہ [بتاؤ] وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے روزی پہنچاتا ہے یا [یہ بتاؤ] کہ وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو جاندار چیز کو بے جان سے اور بے جان چیز کو جاندار چیز سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے، تو وہ [جواب میں یہی] کہیں گے کہ [ان تمام کاموں کا کرنے والا] اللہ ہی ہے''

۳۔ دلیل نقلی:

جب دعویٰ کے اثبات کے لئے کوئی نقل پیش کی جائے تو وہ دلیل نقلی کہلائے گی۔ دلیل نقلی کی سات قسمیں ہیں۔
۱۔ گزشتہ آسمانی کتابوں سے۔ ۲۔ انبیاء سابقین سے اجمالاً ۳۔ انبیائے سابقین سے تفصیلاً نام بہ نام

۴۔ کتب سابقہ کے علماء سے جو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں موجود تھے۔ ۵۔ جنات سے ۶۔ ملائکہ سے ۷۔ پرندوں سے
ان سات اقسام کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

دلیل نقلی از کتب سابقہ:

''وَلَقَدْآتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِيْ إِسْرَائِيْلَ أَلاَّ تَتَّخِذُواْ مِن دُونِيْ وَكِيْلا''[15]۔

''اور ہم ہی نے موسیٰ کو کتاب دی اور ہم ہی نے اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت [کا ذریعہ] بنایا تھا۔ اس میں یہ حکم تھا کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ بناؤ''

اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت [کا ذریعہ] بنایا تھا۔ اس میں یہ حکم تھا کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ بناؤ۔[16]

یہ تورات سے دلیل نقلی ہے۔

دلیل نقلی از انبیاء علیہم السلام اجمالاً:

''وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا الٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُون ''[17]

''اور آپ سے پہلے ہم نے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر اس کی طرف ہم نے وحی کی تھی کہ میرے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں اس لئے صرف میری ہی عبادت کرو''

مثال نقلی از ابراہیم علیہ السلام تفصیلاً:

''وَاذْكُرْ فِيْ الْكِتَابِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيْقاً نَّبِيّاً O إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنكَ شَيْئاً''[18]

''اور ذکر کیجئے کتاب میں ابراہیم [علیہ السلام] کا، وہ بہت سچے نبی تھے۔ سچائی کی حد یہ تھی کہ انہوں نے اپنے باپ سے بھی صاف کہ دیا کہ اے میرے باپ! تو ان [باطل معبودوں] کی کیوں عبادت کرتا ہے جو نہ سنتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ تجھے فائدہ پہنچا سکتے ہیں''

دلیل نقلی از علماء اہل کتاب:

''الَّذِيْنَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلاَوَتِهِ أُوْلَئِكَ يُؤْمِنُونَ بِه''[19]

''جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کے پڑھنے کا حق ادا کرتے ہیں اور وہ اس دعویٰ کو مانتے ہیں''

یہ دلیل عقلی ان اَحبار و رُھبان سے لی گئی ہے جو تورات کا علم رکھتے تھے اور اسلام قبول کر چکے تھے۔[20]

دلیل نقلی از جنات:

''قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآناً عَجَباً O يَهْدِيْ إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَداً''[21]

''فرما دیجئے میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا تو انہوں نے کہا ہم نے ایک عجیب ہی قرآن سنا ہے جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اس لئے ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں اور [اب] ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے''

یہ جنات کے ایک طائفہ سے نقل پیش کی گئی ہے کہ انہوں نے قرآن کریم سن کر اپنی قوم کو جا کر سنایا اور صاف اعلان کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاجت روا نہیں۔ اس لئے صرف اللہ ہی کو حاجات میں غائبانہ پکارا کرو۔

دلیل نقلی از ملائکہ:

''شَهِدَاللّهُ أَنَّهُ لاَالٰهَ إِلاَّهُوَ وَالْمَلاَئِكَةُ وَأُوْلُواْ الْعِلْمِ قَآئِمَاً بِالْقِسْطِ''[22]

"گواہی دی اللہ تعالیٰ نے اس کی کہ بجز اس ذات کے کوئی عبادت کے لائق نہیں اور فرشتوں نے بھی اور اہل علم نے بھی۔ وہ نظام کو اعتدال کے ساتھ قائم رکھنے والا ہے"

دلیل نقلی از طیور:

جب ہدہد غائب رہنے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آیا تو قوم سبا کے مشرکانہ افعال بیان کرنے کے بعد یوں گویا ہوا:

"أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِيْ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ O اللَّهُ لَا اِلٰه إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ"[23]

"اس خدا کو سجدہ نہیں کرتے جو [ایسا قادر ہے] کہ آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو باہر لاتا ہے اور [ایسا عالم ہے کہ] جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو سب کچھ جانتا ہے۔ [پس] اللہ ہی ایسا ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ عرش عظیم کا مالک ہے"

۴۔ دلیل وحی:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دعویٰ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ اعلان کرنے کا حکم بھی ملتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اپنی طرف سے اور اپنی رائے سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ مجھے اللہ طرف سے بذریعہ وحی یہ حکم ملا ہے کہ میں یہ دعویٰ اور مضمون تم تک پہنچاؤں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"قُلْ إِنِّيْ نُهِيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَمَّا جَآءنِيَ الْبَيِّنَاتُ مِن رَّبِّيْ وَأُمِرْتُ أَنْ أُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ"[24]

"فرما دیجئے مجھے ان کی عبادت سے منع کیا گیا ہے جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو جبکہ میرے پاس اپنے رب سے کھلی باتیں آچکی ہیں اور یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دوں"

۳۔ تنویر دعویٰ:

بعض دفعہ منکرین سے دعویٰ کا ایک حصہ تسلیم کرا کر باقی حصے نہایت وضاحت سے ان کے سامنے بیان کر دیئے جاتے ہیں، جن کی وہ صراحتاً تردید نہیں کر سکتے۔ اس طرح گویا کہ انہوں نے دعویٰ کے تمام حصے صراحتاً اور ضمناً تسلیم کر لئے ہیں۔

مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے:

"وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّموٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ O الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْداً وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلاً لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ O وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتاً كَذَالِكَ تُخْرَجُونَ O وَالَّذِيْ خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ"[25]

"اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ زمین و آسمان کس نے پیدا کئے ہیں تو کہیں گے انہیں کسی بہت غالب اور بہت جاننے والے نے پیدا کیا ہے، وہ وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے بچھونا بنایا اور تمہارے لئے اس میں راستے بنائے تا کہ تم راہ پاؤ۔ اور وہی ہے جس نے آسمان سے اندازے کے مطابق پانی اتارا اور پھر اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا، اسی طرح بھی دوبارہ پیدا کئے جاؤ گے۔ اور وہی ہے جس نے سب جوڑے پیدا کئے، اور تمہارے لئے کشتیاں اور جانور بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔"

اس میں مشرکین مکہ نے صراحتاً تسلیم کر لیا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز پر غالب اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اس کے بعد الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْداً الخ سے دعویٰ کی تنویر فرما دی یعنی دعویٰ پر مزید روشنی ڈالی کہ منکرین اسے خاموشی سے سن لیں تو جس طرح انہوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، اسی طرح گویا کہ انہوں نے یہ بھی تسلیم کر لیا کہ اگلی آیتوں میں جو صفات بیان کی گئیں ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مختص ہیں۔

۴۔ تخویف:

دعویٰ منوانے کے لئے قرآن کریم میں جابجا اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ اسے تخویف یا ڈراوا کہتے ہیں۔ تخویف کی پھر دو قسمیں ہیں۔ اگر گرفت کا تعلق دنیا سے ہو تو وہ تخویف دنیوی ہے اور اگر گرفت کا تعلق آخرت سے ہو تو وہ تخویف اخروی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے "الفوزالکبیر" میں ان دونوں اصطلاحات کو "تذکیر بایام اللہ" اور "ومابعد الموت" سے تعبیر کیا ہے۔[26]

مثال تخویف دنیوی:

''وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُم مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزاً''[27]

''ان سے پہلے ہم نے کئی جماعتیں تباہ کیں، کیا آپ ان میں سے کسی کے متعلق کچھ جانتے ہیں یا ان کی آہٹ سنتے ہیں۔''

مثال تخویف اخروی:

''وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِيْنَ إِلَى جَهَنَّمَ وِرْداً''

''ہم مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسا چلائیں گے۔''

قرآن کریم میں دونوں قسم کی تخویفات کا ذکر بکثرت آیا ہے،، بہت کم سورتیں ایسی ہوں گی جو اس کے ذکر سے خالی ہوں گی۔ خصوصا قرآن کریم کے آخری حصہ میں تخویف اخروی بکثرت موجود ہے۔

۵۔ تبشیر یا بشارت:

تخویف کے مقابلے میں تبشیر ہے، یعنی ماننے والوں کے لئے انعامات کی خوشخبری کا بیان۔ تخویف کی طرح تبشیر کی بھی دو قسمیں ہیں، تبشیر دنیوی اور تبشیر اخروی۔

مثال تبشیر دنیوی:

''إِذَا جَاءَ نَصْرُاللّٰہِ وَالْفَتْحُ O وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِيْ دِيْنِ اللَّهِ أَفْوَاجاً O فَسَبِّحْ بِحَمْدِرَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّاباً''[28]

''جب اللہ کی مدد اور فتح آچکی اور آپ لوگوں کو فوج در فوج دین میں داخل ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں، تو [شرک سے] اللہ کی پاکیزگی بیان کیجئے اس کی حمد کے ساتھ اور اس سے بخشش مانگئے۔ وہ تو بہت بخشنے والا ہے۔''

مثال تبشیر اخروی:

''إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا''[29]

''ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں کے لئے جنت کے باغات ہوں گے بطور مہمانی۔''

تنبیہ:

قرآن کریم میں بشارت دنیوی بہت کم آئی ہے۔ تخویف و بشارت کی مثال یوں سمجھ لو کہ جس طرح دنیوی حکومتیں حکومت کا ساتھ دینے والوں اور حکومت کے خیر خواہوں کو خاص خاص نوازشوں سے سرفراز کرتی ہیں، انہیں خطابات سے نوازتی اور انہیں مربع جات وغیرہ عطا کرتی ہیں، اس کے برعکس باغیوں کو عمر قید کی سزا دی جاتی ہے یا انہیں تختہ دار پر لٹکایا جاتا ہے، اسی طرح احکام الٰہی ماننے والوں کے لئے آخرت میں جنّات و انہار اور دیگر کئی قسم کی نعمتیں ہوں گی اور دنیا میں بھی ان کو اکرام و انعام سے نوازا جاتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اس کی متقاضی ہو۔ جیسا کہ اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور دیگر کئی برگزیدہ بندوں کو دنیوی حکومت عطا فرمائی۔ اسی طرح اس مالک الملک کی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والوں کی دنیا میں بھی گرفت ہو جاتی ہے جیسا کہ فرعون، نمرود اور قارون وغیرہ کو ہوئی اور آخرت میں تو ہو کر رہے گی۔

۶۔ شکویٰ:

منکرین دعویٰ جب مقابلے میں دعویٰ پیش کرنے والوں کو مختلف طریقوں سے ذلیل و عاجز کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کے عجز کو دیکھ کر ان کے پیش کردہ دعویٰ کو چھوڑ دیں تو ایسے لوگوں کے حالات پر اللہ کی طرف سے شکایت کی جاتی ہے۔ اسے شکویٰ کہتے ہیں۔ شکویٰ کی پہچان یہ ہے کہ اس کی ابتداء "قال" یا "قالوا" سے ہوگی۔ بعض اوقات شکویٰ کے ساتھ اس کا جواب بھی مذکور ہوتا ہے اور بعض اوقات جواب مذکور نہیں ہوتا ہے۔ مثال:

''وَقَالُواْ لَن نُّؤْمِنَ لَکَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الأَرْض يَنبُوعاً O أَوْ تَكُونَ لَکَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الأَنْهَارَ خِلالَهَا تَفْجِيراً O أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفاً أَوْ تَأْتِيَ بِاللّهِ وَالْمَلآئِكَةِ قَبِيلاً O أَوْ يَكُونَ لَکَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَى فِي السَّمَاء وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّکَ حَتَّى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَاباً نَّقْرَؤُهُ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إَلاَّ بَشَراً رَّسُولاً O وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَن يُؤْمِنُواْ إِذْ جَاءهُمُ الْهُدَى إِلاَّ أَن قَالُواْ أَبَعَثَ اللّهُ بَشَراً رَّسُولاً'' 30

''انہوں نے کہا ہم ہرگز نہ مانیں گے تیری بات کو جب تک تو ہمارے لئے زمین سے چشمہ نہ جاری کر دے، یا [جب تک] تیرے لئے کھجوروں اور انگوروں کا باغ نہ ہو اور تو اس کے بیچ میں نہریں جاری نہ کر دے یا [جب تک کہ] تو آسمان کو ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے نہ گرا دے جیسا کہ تیرا خیال ہے، یا [جب تک] تو اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے نہ لائے، یا [جب تک کہ] تیرا مکان سونے کا نہ ہو جائے، یا تو آسمان پر چڑھ جائے لیکن ہم تیرے [صرف] آسمان پر چڑھ جانے ہی کی وجہ سے بھی ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ تو اپنے ساتھ ایک کتاب نہ لے آئے جسے ہم خود پڑھ لیں۔ آپ [اس کے جواب میں] فرما دیں [یہ تمام امور صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں، میرے یا کسی اور کے اختیار میں نہیں ہیں]، میرا اللہ [ان کاموں میں شریکوں سے] پاک ہے۔ میں تو صرف اس کا پیغام پہنچانے والا آدمی ہوں۔''

یہاں آیت کے آخری حصے میں شکوی کا جواب بھی مذکور ہے۔

۷۔ زجر:

بعض اوقات منکرین دعویٰ کو ان کی ناجائز حرکات اور ان کے غیر معقول مطالبات پر جھڑکا جاتا ہے، اسے زجر کہتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

''فَلَمَّا جَاءتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ''31

''جب ان کے پاس ان کے رسول کھلی دلیلیں لے کر آئے تو وہ لوگ اس علم [من گھڑت قصوں کہانیوں] پر بڑے نازاں ہوئے، جو ان کو حاصل تھا۔''

یعنی انبیاء علیہم السلام نے ان لوگوں کے سامنے دلیلیں اور معجزے پیش کئے مگر وہ اپنے باطل پر اکڑ گئے اور حق قبول نہ کیا۔ بعض دفعہ انبیاء علیہم السلام کو بھی کسی غیر موزوں اور خلاف اولیٰ کام کے ارتکاب پر زجر کیا جاتا ہے،

جیسا کہ سیدنا نوح علیہ السلام سے فرمایا:

''فَلاَ تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَکَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّيْ أَعِظُکَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ'' 32

"اے نوح! جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے متعلق مجھ سے سوال مت کر، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادان نہ بن جاؤ۔"

ایک جگہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا:

''عَفَااللّهُ عَنکَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَکَ الَّذِيْنَ صَدَقُواْ وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِيْن'' 33

''اللہ نے تجھے معاف کیا، آپ نے ان کو کیوں اجازت دی جب تک آپ کو سچے اور جھوٹے معلوم نہ ہو جاتے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

''يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَکَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ أَزْوَاجِکَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيْمٌ'' 34

"اے نبی ! جس چیز کو اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے تم [قسم کھا کر] اسے اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہو ؟ [اور وہ بھی] اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

۸۔ تسلیہ یا تسلی:

دعویٰ توحید پیش کرنے والوں پر جب منکرین دعویٰ کی طرف سے مختلف قسم کی مصیبتیں اور تکلیفیں آتی ہیں اور وہ ان کو جھٹلاتے اور طرح طرح سے ان کو ایذائیں دیتے ہیں تو اس پر اللہ کی طرف سے دعویٰ پیش کرنے والوں کو تسلی دی جاتی ہے جس سے ان کے دلوں کو مضبوط اور زیادہ مطمئن کرنا مقصود ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مختلف انداز تعبیر سے متعدد جگہ میں تسلی دی ہے۔

تعبیر اول:

"وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ" [35]

"اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو [آپ اس کی پرواہ نہ کریں کیونکہ] آپ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا جاچکا ہے۔"

تعبیر ثانی:

"فَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا" [36]

"جو کچھ وہ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کریں [کیونکہ آپ سے پہلے بھی انبیاء کرام کو اسی قسم کی باتوں سے تکلیف دی گئی] اور اپنے رب کی تعریف کے ساتھ [شرک سے] اس کی پاکیزگی بیان کریں سورج چڑھنے اور ڈوبنے سے پہلے"۔ یعنی صفات کارسازی میں میرے رب کا کوئی شریک نہیں۔"

تعبیر ثالث:

"وَلاَ تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْن" [37]

"آپ منکرین دعویٰ پر غم نہ کریں اور دعویٰ توحید ماننے والوں کے لئے اپنا بازو جھکائیں۔"

۹۔ اُمور مصلحہ:

دعویٰ کو ماننے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس دعویٰ پر مضبوطی سے قائم رہیں اور اس کے تمام تقاضوں کو پورا کریں۔ قرآن کریم میں امور انتظامیہ مثلاً قصاص، نکاح، طلاق، وصیت اور وراثت وغیرہ کے جو احکام بیان کئے گئے ہیں، ان کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے تاکہ مسلمانوں میں اتفاق اور تنظیم قائم رہے۔ اس لئے ان کے ساتھ کچھ ایسے امور کا بیان بھی ضروری تھا جو استقامت اور عمل صالح پر ممد ومعاون ہوں اور جن سے باطن کی اصلاح ہو اور مسلمان ہر مشکل سے مشکل حکم پر آمادہ کرنا عمل ہو جائیں۔ ایسے امور کو امور مصلحہ کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں احکام اور امور انتظامیہ کے ساتھ جابجا تین امور مصلحہ کا ذکر کیا گیا ہے یعنی نماز، روزہ اور حج۔ ان امور سے مقصود چونکہ اصلاح باطن ہے، اس لئے ان امور کا ما قبل سے معنوی ربط تلاش نہ کیا جائے۔ امور مصلحہ عام طور پر احکام کے درمیان سورت کے مختلف حصوں مذکور ہوتے ہیں جو بظاہر ما قبل اور مابعد سے غیر مربوط نظر آتے ہیں جیسا کہ سورۃ البقرہ:۲۳۸ میں حافِظُوْا علی الصلواۃ والصلوٰۃ الوسطیٰ ۔ اس آیت سے پہلے امور انتظامیہ طلاق، عدت اور رضاعت وغیرہ کے احکامات مذکور ہیں اور اس کے بعد بھی عدت کے احکام بیان کئے جارہے ہیں۔ لیکن درمیان میں نماز قائم کرنے کا حکم صادر فرمایا تو اس کا ذکر یہاں بطور امر مصلح ہے، کیونکہ نماز کی پابندی خصوصاً جماعت کے ساتھ باہمی الفت و محبت کا باعث ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے :

"أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ، ثَلَاثًا، وَاللهِ لَتُقِيمُنَّ صُفُوفَكُمْ، أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ" [38]

سورۃ البقرۃ میں تینوں امور مصلحہ مذکور ہیں۔ سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ میں صرف ایک یعنی نماز کا ذکر ہے۔

۱۰۔ اندماج یا ادماج:

قرآن کریم میں عموماً کسی مثال یا واقعہ کو پوری تفصیل سے بیان نہیں کیا گیا بلکہ اکثر مثال یا واقعہ کے مقصودی حصے کو صراحۃً بیان کیا گیا ہے اور غیر مقصودی حصوں کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ معمولی غور و فکر سے سمجھ میں آسکتے ہیں۔ اسے اندماج یا ادماج کہتے ہیں، مثلاً:

''مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِيْ اسْتَوْقَدَ نَاراً فَلَمَّا أَضَاءتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمَاتٍ لاَّ يُبْصِرُونَ'' [39]

''اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو آگ روشن کرے [اور وہاں کچھ آدمی موجود ہوں]۔ جب وہ آگ ان کے گرد و پیش کو روشن کر دے تو اللہ تعالیٰ ان کی روشنی زائل کر دے اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دے کہ دیکھ نہ سکیں۔''

اس آیت میں اندماج ہے اور اسْتَوْقَدَ نَاراً کے بعد فِيْهِ رِجَالٌ قَاعِدُوْنَ محذوف ہے۔ اس کے بعد نُوْرِهِمْ کی ضمیر جمع اس پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح فَلَمَّا اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ [40] پس جب عیسیٰ علیہ السلام نے [بنی اسرائیل کا] کفر معلوم کر لیا۔ اس سے پہلے اندماج ہے یعنی القصہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے اور منصب نبوت پر سرفراز ہو کر بنی اسرائیل کو توحید کی دعوت دی۔۔۔ الخ۔

تنبیہ: بسم اللہ الرحمن الرحیم میں ہر جگہ ادماج ہے کیونکہ اس سے مقصد یہ ہے کہ غائبانہ حاجات میں مافوق الاسباب صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگو۔ گویا اصل میں یوں ہے: "بسم اللہ استعینوا فی الحاجات لا بغیرہ"، "ب" کا متعلق "استعینوا" صیغہ امر مؤخر ہے، اور "تقدیم ماحقہ التاخیر مفید للحصر" ہے اور "ب" برائے استعانت ہے۔

۱۱۔ ادخال الٰہی:

قرآن کریم میں قصص وغیرہ کے سلسلے میں جہاں کہیں کسی کا کلام نقل کیا جا رہا ہو یا کوئی مضمون بیان ہو رہا ہو تو بعض دفعہ درمیان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد آجاتا ہے جو اس قصے یا مضمون کا حصہ تو نہیں ہوتا مگر اس سے متعلق ضرور ہوتا ہے۔ اسے ادخال الٰہی کہتے ہیں۔ جیسے:

''وَإِن يَكُ كَاذِباً فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ وَإِن يَكُ صَادِقاً يُصِبْكُم بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ'' [41]

''اور اگر بالفرض وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا اور اگر وہ سچا ہے تو جس چیز کی وہ پیش گوئی کر رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ ضرور تم پر پڑے گا۔''

یہ تقریر فرعون کے اس درباری کی تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دل و جان سے ایمان لا چکا تھا، اس کے بعد اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ [42] ادخال الٰہی ہے اور اس کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے یعنی کیا اس شخص کی تقریر سے فرعون کو کچھ فائدہ ہوا؟ تو اس کے جواب میں فرمایا کہ جو مسرف اور جھوٹا ہو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا۔

۱۲۔ اعادہ بوجہ بعد عہد:

کبھی قرآن کریم میں ایک مضمون کو بیان کیا جاتا ہے لیکن اس کا حکم اور نتیجہ اس کے ساتھ اس وقت بیان نہیں کیا جاتا اور درمیان میں اس کے متعلقات آجاتے ہیں۔ پھر نتیجہ ذکر کرنے سے پہلے اس مضمون کو دہرایا جاتا ہے تاکہ اس کے ساتھ مرتبط ہو جائے اس کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

مثال اول:

''فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ O وَأَنتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنظُرُونَ O وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَكِن لَّا تُبْصِرُونَ O فَلَوْلَا إِن كُنتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ O تَرْجِعُونَهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِيْنَ'' [43]

''پھر کیوں نہیں جب کہ روح حلق تک پہنچ جائے اور تم اس وقت دیکھ رہے ہو۔ ہم تمہاری نسبت اس سے زیادہ قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے۔ اگر تم پر کسی قسم کا محاسبہ ہونے والا نہیں تو تم اس [روح] کو کیوں واپس نہیں لے آتے ہو، اگر تم سچے ہو۔''

یہاں لولا کا جواب مذکور نہیں بلکہ شرط کے بعد اس کے متعلقات مذکور ہیں جن کی وجہ سے شرط اور جزاء میں فاصلہ واقع ہو گیا۔ اس لئے جزاء ترجعونها سے پہلے فلولا ان کنتم غیر مدینین کا اعادہ کیا گیا تاکہ جزا شرط کے ساتھ مربوط ہو جائے۔ اس لئے یہ اعادہ فاصلہ اور بعد عہد کی وجہ سے ہے۔

مثال ثانی:

''كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِندَ اللهِ وَعِندَ رَسُولِهِ إِلاَّالَّذِيْنَ عَاهَدتُّمْ عِندَالْمَسْجِدِالْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُواْ لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُواْ لَهُمْ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○ كَيْفَ وَإِن يَظْهَرُواعَلَيْكُمْ لاَيَرْقُبُواْفِيْكُمْ إِلاًّوَلاَذِمَّةً يُرْضُونَكُم بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَى قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُون'' [44]

''مشرکوں کے لئے اللہ اوراس کے رسول کے ہاں کیسے عہد ہو، مگر جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے پاس وعدہ کیا تھا، جب تک وہ تمہارے ساتھ درست رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو، بے شک اللہ ڈرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ صلح کیونکر رہے، اوراگر وہ تم پر غلبہ پالیں تو قرابت اور عہد کا لحاظ نہیں کریں گے، اپنے منہ کی باتوں سے تم کو راضی کرتے ہیں مگر دل سے نہیں مانتے اوراکثر ان میں سے فاسق [بدعہد] ہیں۔''

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِيْن سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر مشرکین تم پر غلبہ پالیں تو وہ تمہاری کسی قسم کی رشتہ داری یا معاہدہ کا پاس نہیں کریں گے اس لئے تمہیں بھی ان کو ان کی بدعہدی کا بدلہ دینا چاہیئے۔ یہ سلسلہ کلام متقین تک چلا گیا ہے، اس وجہ سے اس کے بعد اصل مقصد بیان کرنے سے پہلے کیف کا اعادہ کیا گیا۔

مثال ثالث:

''إِذْ قَالَ اللّهُ يَا عِيْسى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلَى وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدتُّكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ قف تُكَلِّمُ النَّاسَ فِيْ الْمَهْدِ وَكَهْلاً وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالإِنجِيْلَ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِيْ فَتَنفُخُ فِيْهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الأَكْمَهَ وَالأَبْرَصَ بِإِذْنِيْ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوتَى بِإِذْنِيْ—الی آخرالرکوع'' [45]

''جب اللہ تعالیٰ کہے گا اے عیسی بن مریم یاد کرو میرے کئے ہوئے انعامات کو جو تم پر اور تیری والدہ پر ہوئے، جب میں نے تم کو جبریل سے قوت دی تھی۔ تم پنگھوڑے میں اور بڑی عمر میں باتیں کرتے تھے، اور جب میں نے تمہیں کتاب، حکمت، تورات اور انجیل کی تعلیم دی اور جب تم میرے حکم سے کیچڑ سے پرندے کی شکل بناتے تھے پھر تم اس میں پھونک مار دیتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا اور تم میرے حکم سے مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتے تھے اور جب کہ تم میرے حکم سے مردوں کو نکال کھڑا کرتے تھے۔''

اس میں یا حرف ندا کا اصل مقصود بالنداء تو رکوع نمبر ۱۶ کی ابتداء میں مذکور ہے، یعنی ءانت قلت للناس لیکن اس سے پہلے وَإِذْ قَالَ اللّهُ يَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ کے الفاظ کا بعد عہد کی وجہ سے اعادہ کیا گیا۔

۱۳۔ جباریت:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حق سمجھنے، سننے اور دیکھنے کے لئے دل، کان اور آنکھیں دی ہیں۔ اور حق سمجھانے کے لئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اوران پر کتابیں نازل کیں۔ ان تمام امور کے باوجود جو شخص حق کو نہ سمجھے، نہ دیکھے اور نہ سنے بلکہ ضد اور عناد کی وجہ سے حق کا مقابلہ کرے اوراپنے عقائد باطلہ اور اعمال مشرکانہ پر ڈٹا رہے تو ایسے لوگوں کی حق کو سننے اور سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، اوراس طرح ان سے ایمان لانے کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ اس حالت کا نام مہر جباریت ہے اور یہ جبر نہیں ہے کیونکہ جبر تب ہوتا کہ حق سمجھنے کی قوت ہی نہ دی جاتی اور حق پہنچانے کے وسائل مہیا نہ کئے جاتے۔ قرآن مجید میں اس مفہوم کو مختلف عنوانات سے بیان کیا گیا ہے۔

عنوان اول:

''لَهُمْ قُلُوبٌ لاَّ يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لاَّ يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لاَّ يَسْمَعُونَ بِهَا أُوْلَئِكَ كَالأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُوْلَئِكَ هُمُ الْغَافِلُون'' [46]

"ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں، اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں۔ وہ چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔ یہی لوگ بے خبر ہیں۔"

اس آیت میں ان کی اس حالت کو کسی سبب کی طرف منسوب نہیں کیا گیا۔

عنوان ثانی:

کبھی اس حالت [مہر جباریت] کو ان کے عقائد باطلہ اور اعمال مشرکانہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے:

"كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ" 47

"ہر گز نہیں، بلکہ جو وہ کرتے ہیں اس کا ان کے دلوں پر زنگ لگ گیا ہے۔"

اور کبھی اس کی نسبت خود مشرکین کی طرف کی جاتی ہے:

"وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِيْ أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِيْ آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِن بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ" 48

"انہوں نے کہا کہ ہمارے دل اس مسئلہ [مسئلہ توحید] سے جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے، پردوں میں ہیں۔ ہمارے کان بہرے ہیں اور ہمارے اور تیرے درمیان پردہ ہے۔ پس [جا] تو اپنا کام کر، ہمیں اپنا کام کرنے دے۔"

عنوان ثالث:

کبھی اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے کیونکہ وہ فاعل حقیقی اور خالق افعال عباد ہے۔

چنانچہ فرمایا:

"خَتَمَ اللّهُ عَلَى قُلُوبِهمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عظِيْمٌ" 49

"اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔"

ایک جگہ ارشاد ہے:

"وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لاَ يُؤْمِنُونَ بِالآخِرَةِ حِجَاباً مَّسْتُوراً Oوَّجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِيْ آذَانِهِمْ وَقْراً" 50

"جب آپ قرآن پڑھتے ہیں ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر یقین نہیں لاتے، چھپا ہوا پردہ ڈال دیتے ہیں اور ہم ان کے دلوں پر پردے اور ان کے کانوں میں ثقل رکھ دیتے ہیں تاکہ وہ اس کو سمجھ ہی نہ سکیں۔"

ان مختلف عنوانات کی وجہ یہ ہے کہ مہر جباریت سے کیا مراد ہے؟ نیز مہر جباریت کیوں اور کب لگائی جاتی ہے، اور مہر جباریت لگاتا کون ہے؟ چنانچہ عنوان اول میں پہلا امر، عنوان ثانی میں دوسرا امر اور عنوان ثالث میں تیسرا امر بیان کیا گیا ہے۔ بعض اوقات قرآن کریم میں مہر جباریت کی کیفیت بیان کی جاتی ہے مگر اس کے ساتھ اسباب بیان نہیں کئے جاتے کیونکہ وہاں صرف حالت کا بیان مقصود ہوتا ہے جیسا کہ: ختم اللہ علیٰ قلوبهم اور بعض جگہ ساتھ اسباب بھی مذکور ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

"ذَلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّواْ الْحَيَاةَ الْدُّنْيَا عَلَى الآخِرَةِ وَأَنَّ اللّهَ لاَ يَهْدِيْ الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ" 51

"یہ مہر جباریت اس لئے ہے کہ انہوں نے دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور اللہ تعالیٰ منکرین کو ہدایت نہیں دیتا۔"

اس طرح دونو جگہوں میں صنعت احتباک ہو جائے گی۔

اس کو ایک مثال سے یوں واضح کیا جا سکتا ہے۔ ایک شخص کو دق کا مرض لاحق ہو رہا ہو اور ایک انتہائی لائق اور مشفق طبیب اسے مفت دوا دے کر کہے کہ فوراً دوا استعمال کرو ورنہ تمہارا مرض تیسرے درجے تک پہنچ کر بالکل لاعلاج ہو جائے گا مگر وہ مریض اس طبیب کو برا سمجھ کر اس کی دوا کو استعمال نہیں کرتا یا زبردستی استعمال کرانے پر تھوک دیتا ہے، یہاں تک کہ اس کا مرض اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور طبیب یہ فیصلہ دے دیتا ہے کہ تمہارا مرض

اب لاعلاج ہے ،موت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اس میں طبیب کا کوئی قصور نہیں بلکہ غلطی سراسر مریض کی ہے ۔ جن کفار اور مشرکین کے دلوں پر مہر جباریت لگائی جاتی ہے، ان کی بعینہٖ یہی مثال ہے۔

۱۴۔ ربط القلب:

ربط القلب، مہر جباریت کی ضد ہے۔ جب انسان ہدایت کی راہ اختیار کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت میں اس کا قدم راسخ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو یقین محکم اور اس کے ایمان کو دولت استقامت سے مالا مال فرما دیتا ہے ، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص گمراہی اور ضلالت سے محفوظ ہو جاتا ہے ۔دل کی اس کیفیت کا نام ربط القلب ہے۔حدیث میں اہل بدر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا جو ارشاد مذکور ہے "اِعْمَلُوا ما شئتم قَدغفرتُ لکم" [جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے]۔

اس میں اسی قلبی کیفیت کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے تمہارے دلوں کو اپنی طرف مائل کر دیا ہے، تمہارے دلوں میں نیکی کی محبت اور برائی سے نفرت بھر دی ہے۔ اس لئے اب تم گناہوں کی طرف نہیں جا سکتے۔ قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

چنانچہ ایک جگہ اصحاب کہف کے بارے میں ارشاد ہے :

''وَرَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ إِذْقَامُوافَقَالُوارَبُّنَارَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَن نَّدْعُوَا مِن دُونِهِ إِلٰهاً لَّقَدْ قُلْنَا إِذاً شَطَطاً'' 52

''ہم نے ان کے دلوں پر ربط کر دیا، جب وہ [حاکم وقت کے سامنے] کھڑے ہوئے تو کہنے لگے ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ اس کے سوا ہم کسی اور معبود کو ہرگز نہیں پکاریں گے ورنہ ہم عقل سے دور بات کہیں گے۔''

ربط القلب دراصل ہدایت کے چوتھے درجے کا نام ہے، ہدایت کے چار درجے ہیں۔

1. **انابت:** یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور ضد وعناد کو چھوڑ کر راہ ہدایت کی تلاش اور جستجو کرنا۔ ہدایت صرف انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جن میں انابت الی اللہ کا جذبہ موجود ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَيَهْدِىْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيب یعنی اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق صرف ان لوگوں کو دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع اور انابت کرتے ہیں۔
2. **[سیدھی راہ پانا]:** یہ انابت اور رجوع الی اللہ کے بعد حاصل ہوتی ہے۔
3. **استقامت:** ہدایت کے بعد استقامت کا درجہ ہے ، جب آدمی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق سیدھی راہ پر چلنا شروع کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے استقامت عطا فرما دیتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا53 میں ثم استقاموا میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔
4. **ربط القلب:** راہ ہدایت پر استقامت کے بعد ربط القلب کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ درجہ ایمان ویقین کی پختگی کا سب سے اونچا درجہ ہے۔ جسے یہ درجہ حاصل ہو جائے دنیا کی کوئی طاقت اسے ایمان اور اسلام سے برگشتہ نہیں کر سکتی ، مگر یہ درجہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور حضرت رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کامل اتباع کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

۱۵: مسئلہ انابت

قرآن مجید کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ توحید تب سمجھ میں آتا ہے جب دل میں ضد وعناد اور تعصب نہ رہے، اور حق کی طرف توجہ اور میلان ہو جائے۔ اس پر قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات شاہد ہیں۔

''وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَن يُنِيب'' 54

''یعنی اس مسئلہ توحید کو وہی مانتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھاتا ہے جس کے دل میں انابت ہو اور ضد نہ ہو۔''

اس کی تائید سورۃ قٓ کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے :

''إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْد'' 55

''جس کا دل ہو اس کے لئے قرآن یا مسئلہ توحید میں نصیحت ہے یا خوب غور سے سنے یعنی انابت کرے۔''

''هَذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيْظٍ O منْ خَشِيَ الرَّحْمَن بِالْغَيْبِ وَجَآء بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ'' 56

''یہ ہے جس کا تم سے ہر رجوع کرنے والے، یادر کھنے والے کے لئے وعدہ ہوا تھا، جو بن دیکھے اللہ سے ڈرا، اور جو اس کی طرف رجوع کرنے والا دل لایا۔''

''قُلْ إِنَّ اللہَ يُضِلُّ مَن يَشَاء ۚ وَيَهْدِيْ إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ'' 57

''فرمادیجئے کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسے راہ دکھاتا ہے۔''

اس کی تائید:

''هَذابَلاَ غٌ لِلّنَاسِ وَلِيُنْذِرُوْا بِه وَلِيَعْلَمُوْا اَنّمَاهُوَاِلٰهٌ وَاحدٌ وَلِيَتَذَكَّرَاُوْلُوْالاَلْبَاب'' 58

''یہ لوگوں کے لئے پہنچادینا ہے تاکہ اس سے ڈرائے جائیں اور جان لیں کہ وہی ایک معبود ہے۔ اور تاکہ عقل مند لوگ نصیحت حاصل کریں۔''

نص قرآنی کی تفہیم میں نظم قرآنی اور ربطِ آیات وسور کی اہمیت اور اس فن میں مولانا حسین علیؒ کی خدمات:

نص قرآنی کی تفہیم میں نظم قرآنی اور ربطِ آیات و سور پر ہونے والا کام بھی بہت اہم ہے۔ مولانا حسین علیؒ بھی اس موضوع پر خاص مہارت رکھتے تھے مگر اس میدان میں اولیت کا شرف ان کے متقدمین مفسرین کو حاصل ہے۔ یحی بن زیاد الفراء الکوفی، ابو عبیدہ معمر بن المثنی، ابو عثمان عمرو بن بحر الکنانی الجاحظ، عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوریؒ، احمد بن علی بن بیغ جور الاخشید شیخ المعتزلہ اور ابو علی حسن بن علی بن نصر نے نظم القرآن کے تحت بلاغت قرآنی پر مباحث قائم کیے۔

پانچویں صدی میں امام عبد القاہر جرجانیؒ نے دلائل الاعجاز میں بلاغتِ کلام کا اصل مرجع نظم کلام کو قرار دیا۔ قاضی ابو بکر ابن العربی نے علم مناسبت کو عظیم علم قرار دیا۔ وہ پہلے مفسر ہیں جو آیات میں مکمل ربط اور پیوستگی کے قائل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ قرآن کریم کل ایک کلمہ کی مانند ہے جس میں آیات باہم وحدتِ بسیط کی طرح مربوط ہیں۔ چھٹی صدی ہجری میں زمخشریؒ نے ''تفسیر کشاف'' میں مناسبات آیات کو بلاغت قرآنی کا جزو قرار دیا اور اس کے مخفی پہلوئوں کو بیان کیا۔ پھر فخر الدین رازیؒ نے تفسیر ''مفاتیح الغیب'' میں نظم و ربط آیات پر خصوصی توجہ دی اور جملوں کی تقدیم و تاخیر، صیغوں کے اختلاف اور الفاظ کے وصل و فصل کے ذرا ذرا سے فرق سے بے شمار اسرار و رموز بے نقاب کیے۔ امام رازیؒ پہلے محقق ہیں جو ترتیب اور نظم آیات کو الفاظ و معانی کی طرح معجزہ قرار دیتے ہیں۔

آٹھویں صدی ہجری کے شیخ ابو جعفر بن زبیر غرناطیؒ کی تفسیر''البرھان فی ترتیب سور القرآن''اس موضوع پر ایک اور اہم تصنیف ہے۔ پھر جوں جوں وقت گزرتا گیا اس موضوع پر مصنفین کی دلچسپی اور تالیفات کی چاشنی بڑھتی چلی گئی اور اس فن پر متعدد کتب سامنے آئیں جن میں سے نویں صدی کے امام برھان الدین ابرہیم بن عمر بن حسن الرباط البقاعیؒ کی ''نظم الدرر فی تناسب الآیات و السور'' ہے۔ شاید اس زمانے تک اس موضوع پر اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اسی صدی میں برصغیر میں مخدوم ابو الحسن علائوالدین علی بن احمد بن علی مہائمیؒ کی تفسیر ''تبصیر الرحمان وتیسیر المنان'' مناسبات آیات کا ایک بہترین ذخیرہ ہے۔ دسویں صدی ہجری میں جلال الدین سیوطیؒ کی کتب ''اسرار التنزیل''، ''تناسق الدررفی تناسب السور''، ''الاتقان فی علوم القرآن'' سبھی میں مناسبات اور ارتباط آیات کے وجوہ اور اسباب کے متعلق اہم اور مفید ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے۔ اسی صدی کے علامہ شمس الدین محمد بن الشربینی مصریؒ کی تفسیر ''السراج المنیر'' اور علامہ ابو السعود کی تفسیر ''ارشاد العقل السلیم الیٰ مزایا القرآن الکریم'' میں بھی ارتباط آیات پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ بارہویں صدی میں علامہ محمود آلوسی حنفی بغدادیؒ نے ''روح المعانی فی تفسیر آیات القرآن'' میں آیات کے ربط و ترتیب پر بھی خاص توجہ دی۔

برصغیر پاک وہند میں مولانا حمید الدین فراہیؒ نے نظمِ قرآن کو خصوصی موضوع بنایا۔ مولانا کا نکتہ نظر یہ ہے کہ قرآن مجید کی ہر سورت کا ایک عمود یا مرکزی مضمون ہے جو مطالب سورت کی شیرازہ بندی کا کام دیتا ہے اور اس کے تمام مضامین کو ایک لڑی میں پرو کر تمام بکھرے ہوئے موتیوں کو جمع کر کے ان سے ایک خوبصورت ہار تیار کرتا ہے۔ وہ پوری سورت کو کثرت مضامین کے باوجود ایک وحدت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ ربط و مناسبت کے اصولوں کی وضاحت کے لیے مولانا نے ''دلائل النظام'' کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی۔ مولانا فراہی کی وفات کے بعد ان کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی نے تدبر قرآن میں اسی انداز کو اپناتے ہوئے آپ کے کام کو آگے بڑھایا۔ برصغیر ہی کے جلیل القدر علماء مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے ''مشکلات القرآن''، مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ''بیان القرآن'' اور مولانا محمد اعلیٰ تھانویؒ نے ''سبق الغایات فی نسق الآیات'' میں بھی نظم کو موضوع بحث بنایا ہے۔

اس طرح ربط آیات و سور پر کام تو مولانا حسین علیؒ سے پہلے بھی ہو چکا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر انہیں خاص ذوق عطا فرمایا تھا جو آپ کو اپنے سابقین سے ممتاز کرتا ہے۔ مولانا حسین علیؒ نے بذات خود کوئی قرآن کریم کی تفسیر تصنیف نہیں فرمائی، آپ کے شاگردان رشید نے آپ کے افادات کو قلمبند کر کے شائع کیا۔ اس طرح تقریباً دس کتب مولانا کے افادات پر مشتمل شائع ہو چکی ہیں جن میں سے تفسیر اور فہم قرآن مجید کے باب میں آپ کے افادات کا مجموعہ ''بلغۃ الحیران'' ہے جو تفسیر کے سبق کے دوران آپ کے شاگردان رشید مولانا غلام اللہ خانؒ اور مولانا سید نذر حسینؒ نے قلمبند کر کے طبع کرایا۔ اس کے علاوہ ایک مختصر رسالہ بعنوان ''تفسیر بے نظیر'' مولانا حسین علیؒ کی حیات میں دو بار طبع ہوا اور تیسری مرتبہ مولانا غلام اللہ خانؒ نے اسے ''التبیان فی تفسیر القرآن'' کے نام سے شائع کیا۔

آپ کی کچھ املائی تالیفات حدیث پاک کے موضوع پر ہیں، کچھ عقیدے پر اور کچھ تصوف پر مگر ان سب پر آپ کی قرآن فہمی نے فوقیت پائی اور اپنے ہاتھوں سے کوئی تفسیر تالیف نہ کرنے کے باوجود آپ کی اختیار کی ہوئی اصطلاحات، خلاصہ جات اور ربط سور و آیات کو اس قدر قبولِ عام حاصل ہوا کہ وہ آپ کے شاگردان رشید کی کاوشوں سے نہ صرف کتابی شکلوں میں محفوظ ہو گئے بلکہ مولانا حسین علیؒ کا طرزِ تفسیر ایک منہج قرار پایا۔ اس منہج کو ان کے شاگردان رشید نے اس قدر ترقی دی کہ آج تک نسل در نسل ان کے سلسلے کے مدارس میں اسی طرز کے عنوان سے سال میں ایک مرتبہ دورۂ تفسیر پڑھایا جاتا ہے جو عموماً شعبان اور رمضان میں دو ماہ سے کم عرصے میں مکمل کر لیا جاتا ہے۔ اس دورے کے علاوہ روزانہ دروس قرآن مجید کا تسلسل بھی ان کے مستفیدین و متوسلین کا امتیاز ہے۔ ان تفسیری دورہ جات اور دروس قرآن مجید میں زیادہ زور قرآن فہمی کی اصطلاحات، ربط آیات و سور اور عقائد و رسوم کی اصلاح پر دیا جاتا ہے۔ مولانا کے ربط اور خلاصہ جات تو ایک طویل موضوع ہے۔ نص قرآنی کے لیے مولانا نے جو اصطلاحات اختیار کیں انہی کی وجہ سے وہ اپنے متقدمین و متاخرین میں منفرد نظر آتے ہیں۔ غالباً یہی اصطلاحات ہیں جن کی بنا پر طلبہ و علماء دو ماہ سے کم عرصے میں قرآن مجید کی مختصر تفسیر سیکھ کر اس کے بیان و تعلیم کے قابل بھی ہو جاتے ہیں۔ یہ اصطلاحات بھی بنیادی طور پر نظمِ قرآنی پر مولانا کے ذوق کا مظہر ہیں۔ اسی لیے ان کی ابتدا دعوئ سورت سے ہوتی ہے، مگر دوسری طرف وہ صرف نظم و ربط سور و آیات میں منحصر نہیں بلکہ قرآنی نص کو ان کے ذریعے ایسے عناوین دے دیے گئے ہیں کہ محض قرآن مجید کا ترجمہ جاننے والا شخص اس کے مضامین سے واقف ہو جاتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات:

1 مولانا رشید احمد گنگوہی کی پیدائش قصبہ گنگوہ میں ذی القعدہ 1344ھ میں ہوئی، آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ مشہور ہیں۔ (اکابر علمائے دیوبند، ص ۳۶،۳۷)

2 حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمہ اللہ بن حافظ لطف علی بن محمد حسن صدیقی حنفی نانوتوی فقہ وحدیث کے اکابر علماء میں سے تھے۔ آپ کی ولادت 1823ء میں نانوتہ ضلع سہارن پور میں ہوئی۔ آُنے ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن اپنے والد ماجد سے کیا۔ پھر تحصیل علم کے لئے دہلی کا سفر کیا۔ مولانا مملوک علی رحمہ اللہ، شیخ صدر الدین، شیخ رشید الدین رحمہا اللہ اور حدیث کی بعض اہم کتابیں شیخ اجل حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ سے پڑھیں۔ تحصیل علم کے بعد اجمیر کالج میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر آگرہ کالج میں استاذ رہے۔ (اکابر علمائے دیوبند، ص ۳۸،۳۹)

3 علامہ احمد حسن حنفی بطالوی (پٹیالہ) کانپوری ان علما کرام میں سے ہیں جو زیادہ سے زیادہ درس دینے اور لوگوں کو فائدے پہنچانے میں مشہور ہیں۔ مولانا کانپوری کے کثیر شاگرد ہوئے، شہر بطالہ (پٹیالہ) میں پیدا ہوئے جو 'گورداس بود' کے مضافات میں سے ہے اور وہیں بڑے بھی ہوئے۔ حصول علم کے لیے علی گڑھ شہر میں مفتی لطف اللہ صاحب کی خدمت میں رہنے لگے اور وہیں سے فراغت پائی۔

4 مقدمہ تفسیر جواہر القرآن از افادات مولانا حسین علیؒ، مرتبہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ، مطبع کتب خانہ رشیدیہ، س ن، صفحہ ب

5 تتمۃ البیان لمشکلات القرآن، علامہ سید انور شاہ کشمیری، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان پاکستان، 1437، ص 29۔

6 مقدمۃ: بلغۃ الحیران فی ربط آیات الفرقان، ص:٤

7 سورۃ القمر: 22۔

8 سورۃ الدخان 44:58

9 النحل: 43

10 مقدمہ تفسیر جواہر القرآن، ص 2

11 جواہر القرآن، مولانا غلام اللہ خان، ج 1، ص 3۔

12 سورۃ البقرۃ: 2/21-22

13 سموالدرر فی ربط الآیات والسور، شیخ القرآن مولانا محمد طاہرؒ، منظور پریس پشاور، س ن، ص 34۔

14 سورۃ یونس: 10/31

15 سورۃ بنی اسرائیل: 17/2

16 الدرر المنثورۃ، مولانا حسین علی، ص 102۔

17 سورۃ الانبیاء: 21/25

18 سورۃ مریم: 19/41-42

19 سورۃ البقرۃ: 2/121

20 احبار حبر اور رہبان راہب کی جمع ہے۔ مراد اہل کتاب کے علماء ومشائخ ہیں۔

21 سورۃ الجن: 72/1-2

22 سورۃ آل عمران: 3/18

23 سورۃ النمل: 27/24-25

24 سورۃ المؤمن: 40/66

25 سورۃ الزخرف: 43/9-10-11

26 شاہ ولی اللہ الدھلوی، الفوز الکبیر، ص:١٨، اشاعت اسلام کتب خانہ پشاور

27سورۃ مریم: 19/98
28(سورۃ النصر مکمل)
29سورۃ کہف:18/107
30سورۃ بنی اسرائیل:17/90تا94
31سورۃ المؤمن:40/83
32سورۃ ہود:11/46
33سورۃ التوبۃ:9/43
34سورۃ التحریم:66/1
35سورۃ الفاطر:35/4
36سورۃ طٰہٰ:20/13
37سورۃ الحجر:15/88
38مسند الإمام أحمد بن حنبل، أبوعبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى: 241هـ)، المحقق: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، مؤسسة الرسالة، الطبعة: الأولى، 1421هـ - 2001 م، حدیث نعمان بن بشیر، حدیث نمبر18430
39سورۃ البقرۃ:2/17
40سورۃ آل عمران:3/52
41سورۃ المؤمن:40/28
42سورۃ المؤمن:40/28
43سورۃ الواقعہ:56/83تا87
44سورۃ التوبۃ:9/76
45سورۃ المائدہ:5/110
46سورۃ الاعراف:7/189
47سورۃ المطففین:83/ 14
48سورۃ فصلت:41/4
49سورۃ البقرۃ:2/7
50سورۃ بنی اسرائیل:17/45-46
51سورۃ النحل:16/107
52سورۃ الکہف:18/14
53سورۃ فصلت:41/30
54سورۃ المؤمن:40/13
55سورۃ ق:50/30
56سورۃ ق:50/32-33
57سورۃ الرعد:13/27
58سورۃ ابراہیم:14/52